واقعہ اصحاب کہف کا مفسرین کی آراء کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Incident of Ashab al-Kahf in the Light of the Opinions of the commentators

Dr. Hafiz. M. Mudassar Shafique
Assistant Professor, Faculty of Social sciences
Department of Islamic studies, Lahore Garrison University, Lahore
Email: drmudassar@lgu.edu.pk
Saira Tariq
Visiting Lecturer, department of Islamic studies
University of Agriculture Faisalabad, Faisalabad
Email: sairatariq1813@gmail.com
Muhammad Shoaib
Teaching Assistant (Islamic studies) University community college
Govt. collage university, Faisalabad
Email: shoaibgcuf202@gmail.com

ABSTRACT
Qur'an is the book of knowledge and wisdom which not only gave life to the sciences but also helped in the creation of numerous modern sciences. Many scholars with taste in different periods of Islamic history have researched the interpretation of the Qur'an in their own way. The first exegete to explain the teachings of the Qur'an was the Holy Prophet himself, who set an exegetical model by his own practice. And then some of the Companions took ownership of it. In this way, as soon as Islam spread to different countries, scholars adapted the interpretation of the Qur'an according to their principles. All the commentators interpreted the Qur'an thanks to their knowledge.Therefore, its interpretation has a special importance in the subcontinent, therefore many such events are mentioned in the Qur'an whose historical status is of great importance.One of these events is Ashab al-Kahf which has its own identity in terms of history and research. In this article, an analytical study has been done in view of the opinions of various commentators on the incident of Ashab al-Kahf.
Keywords: Incident of Ashab al-Kahf, History, Commentators, Openions, Analytical study

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو اللہ نے انے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ یہ کتاب تمام انسانیت کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ ہے یہ قرآن ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اس ہدایت ورہنمائی کو واضح کرنے کے لئے اس کی تفسیر کا علم مدون کیا گیا ہے۔ تاکہ قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھا جاسکے اور اس سے ہدایت

ورہنمائی حاصل کی جا سکے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اصحاب کہف کی تاریخی حیثیت اور اس قصے سے اخذ شدہ مسائل کو مختلف مفسرین کی آراء کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے قرآن میں ارشاد ہے
أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ ٱلْكَهْفِ وَٱلرَّقِيمِ كَانُواْ مِنْ آيَاتِنَا عَجَباً[1]

اصحاب کہف اور الرقیم کا لغوی معنی:

الکھف کے لغوی معنی پہاڑ کے ہیں[2] جہاں تک اس واقعے کے تاریخی پس منظر کا تعلق ہے تو مودودی صاحب نے اس کے متعلق زبردست گفتگو کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں کہف وسیع غار کو کہا جاتا ہے اور غار کا لفظ تنگ کھو کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر اردو میں غار کہف کے ہم معنی ہے لیکن الرقیم کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض صحابہ سے منقول ہے کہ یہ اس بستی کا نام ہے جہاں یہ واقع پیش آیا تھا۔ وہ ایلہ یعنی عقبہ اور فلسطین کے درمیان واقع تھی بعض قدیم مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کتبہ ہے جو اس غار پر اصحاب کہف کی یاد میں لگایا گیا تھا۔[3] مولانا ابو الکلام آزاد نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے یعنی الرقم سے مراد بستی ہے آزاد صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ مقام وہی ہے جسے بائبل کی کتاب یشوع میں رقم یا راقم کہا گیا ہے پھر وہ سے نبطیوں کے مشہور تاریخی مرکز پیڑا کا قدیم نام قرار دیتے ہیں[4] مودودی صاحب اس بارے لکھتے ہیں کہ مولانا نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کتاب یشوع میں رقم یا راقم کا ذکر بنی بن یمین کی حیرت کے ذکر میں آیا ہے اور خود اس کتاب کی رو سے اس قبیلے کی میراث کا علاقہ دریائے اردن اور بحر لوط کے مغرب میں واقع تھا۔ جس میں پیڑا کے ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ پیڑا کے کھنڈر جس علاقے میں پائے گئے ہیں اس کے اور بنی بن یمین کی میراث کے درمیان یہودا اور ادومیہ کا پورا علاقہ حائل تھا۔ اس بناء پر جدید زمانے کے محققین آثار قدیم نے یہ بات ماننے میں سخت تامل کیا ہے کہ پیڑا اور راقم ایک چیز ہیں۔ مودودی صاحب کے نزدیک صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ رقیم سے مراد کتبہ ہے[5] الرقیم سے مراد تفسیر ضیاء القرآن والے لکھتے ہیں کہ کہف سے مراد وسیع غار ہے رقیم سے متعلق متعدد اقوال مذکور ہیں حضرت کعب کے مطابق یہ اس شہر کا نام ہے جہاں سے یہ لوگ گئے تھے، ابن عباس کے مطابق یہ اس وادی کا نام ہے جس میں یہ غار واقع ہے لیکن عام علماء تفسیر کا میلان اس طرف ہے کہ رقیمہ بمعنی مرقوم یعنی لکھا ہوا ہے۔ یعنی تانبے کی وہ تختی جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے احوال لکھ کر بطور ایک یادگار صندوق میں محفوظ کر دیے گئے تھے تاکہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ان کے صحیح حالات کا علم ہو سکے اور جب یملیخاہ نے حاکم شہر کو بتلایا کہ میں ان میں سے ایک ہوں جو ظالم بادشاہ کے جبر و تشدد سے اپنے ایما کو بچانے کے لیے غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے تو اس تختی نے اس بیان کی تصدیق کر دی۔[6] مودودی صاحب اور پیر کرم شاہ نے لفظ رقیم کے معاملے میں مولانا آزاد سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے مطابق بعض تابعین نے اس کا

مطلب شہر سمجھا ہے لیکن اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا۔ اکثر مفسرین اس بناء پر اس طرف چلے گئے ہیں کہ رقیم کے معنی کتابت کے ہیں یعنی اصحاب کہف کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا گیا تھا اس لیے کتبہ والے مشہور ہو گئے۔ لیکن مولانا آزاد کے مطابق اگر کتبے کی طرف رجوع کرنے والے علماء تورات کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہو جاتا کہ رقیم وہی لفظ ہے جسے تورات میں راقم کہا گیا ہے۔ اور یہ ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر پیڑا کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے بطرا کہنے لگے۔ عالمگیر جنگ کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک پیڑا بھی ہے۔ جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھا شمال کی طرف بڑھیں تو دو متوازی سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے یہ علاقہ نبطی علاقہ تھا اور اس کی ایک نئی پہاڑی سطح پر "راقم" نامی شہر آباد تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کیا تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح راقم نے بھی ایک رومی نو آبادی کی شکل اختیار کر لی۔ یہی زمانہ ہے جب پیڑا کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ ۶۴ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کر لیا تو راقم کا نام بہت کم زبانوں پر تھا، یہ رومیوں کا پیڑا اور عربوں کا بطرا تھا۔ جنگ کے بعد سے اس علاقہ کی از سر نو اثری پیمائش کی جا رہی ہے، نئی نئی باتیں روشنی میں آ رہی ہیں۔ اس علاقہ کے عجیب و غریب غار ہیں اور نہایت وسیع ہیں۔ ایسی نوعیت کے غار بھی پائے گئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی۔

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر بات سامنے آجاتی ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ اس شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام "الرقیم" بتلا دیا ہے اور جب اس شہر کا نام موجود تھا تو پھر کوئی وجہ کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کیے جائیں اور بغیر کسی بنیاد کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے۔[7] کہف کہتے ہیں پہاڑی غار کو، جہاں نوجوان چھپ گئے تھے۔[8] "رقیم" یا تو ایلہ کے پاس وادی کا نام ہے یا ان کی اس جگہ کی عمارت کا نام ہے یا کسی آبادی کا نام ہے یا پہاڑ کا نام ہے۔ اس پہاڑ کا نام نجلوس بھی آیا ہے، غار کا نام حیزوم کہا گیا ہے اور کتے کا نام حمران بتایا گیا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سارے قرآن کو میں جانتا ہوں لیکن لفظ حنان اور لفظ اواہ اور لفظ رقیم کا مجھے نہیں معلوم۔ رقیم کتاب کا نام ہے یا کسی بنا کا۔ روایت میں آپ سے مروی ہے کہ وہ کتاب ہے سعید کہتے ہیں پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا[9] قرآن میں ہے کہ " كتب مرقوم "[10] اس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہین اور یہی امام ابن جریر کا مختار قول ہے کہ رقیم فیصل کے وزن پر مرقوم کے معنی ہیں اصحاب کہف سے مراد ملک روم میں جزیرہ افسوس کے رہنے والے چھ یا سات افراد جو ایمان کی دولت سے مالا مال تھے جو مذہبا نصرانی تھے۔ ۲۴۸ تا ۲۶۱ میں اپنے میں اپنے زمانے کے کافر و ظالم "دقیانوس" نام کے بادشاہ کے خوف سے غار میں

چھپے تھے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا کتا بھی تھا۔ وہ قدرت الٰہی سے اس غار میں سوتے رہے اور سو رہے ہیں جبکہ الرقیم کا معنی اصحاب کہف جن کے ناموں کا اس غار پر جس میں وہ سو گئے تھے بادشاہ نے کتبہ لکھ کر لگا دیا تھا انہی لوگوں کا لقب اصحاب الرقیم بھی ہو گیا۔[11]۔ مفسرین کی اس مکمل بحث کے بعد قیاس اس طرف ہے کہ الرقیم وہی کتبہ ہے جس پر اسماء لکھے گئے ہیں۔ اردو لغت والوں نے بھی لکھا ہے کہ یہ نوجوان مذہبا نصرانی تھے ان کا کتا بھی تھا وہ سب قدرت الٰہی کے ساتھ غار میں سوتے رہے اور الرقیم کا معنی اصحاب کہف جن کے ناموں کا اس غار پر جس میں وہ سو گئے تھے بادشاہ نے کتبہ لکھ کر لگا دیا تھا، انہولوگوں کا نام اصحاب الرقیم بھی ہو گیا۔[12]

تاریخی پس منظر:

پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے باعث یہودی علماء و امراء ان کے خون کے پیاسے ہو گئے اور ہر طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے دین میں تحریف کا سنگین الزام لگا کر علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس دعوے دائر کیے اور بادشاہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے ان کو تختہ دار پر نہیں لٹکایا تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ چند حواریوں کے علاوہ پوری آبادی یہود کے ساتھ تھی اور اس لمحہ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی کہ جب حضرت عیسی کو صلیب پر لٹکایا جائے گا۔ اللہ نے اپنے مقبول بندے کی حفاظت فرمائی اور آسمان کی طرف اٹھا کر ان نابکاروں کے ہتھکنڈوں سے آپ کو بچا لیا۔ ان حالات میں دین صحیح پھیلنے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اپنے چند حواریوں کے دل میں حق کا چراغ حضرت مسیح روشن کر گئے تھے وہ مصائب کی ان پر فتن آندھیوں میں بھی نہ بجھ سکا۔ ان کی پر جوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرنے لگے اور علاقہ بھر میں ان کے قلعے قائم ہو گئے جو اللہ کی توحید، حضرت عیسی کی رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے تھے اگرچہ ملک کی اکثریت اپنے رومی حکمران کی طرح بت پرست تھی۔ لیکن ۲۴۸ کے اواخر میں جب دقیانوس جسے رومی زبان میں ڈسیس کہتے ہیں اوما کے تخت پر متمکن ہوا تو ہوا کا رخ پھر بدل گیا۔ اس نے ایک قانون کے ذریعے مسیحی دین پر پھر پابندی لگا دی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق یہ پہلا رومی فرمانروا تھا جس نے بیخ و بنی سے اکھاڑ پھینکنے کا جامع منصوبہ بنایا اور اپنی ساری قلمرو میں عیسائیوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ایشیائے کوچک اس وقت رومن ایمپائر کے زیر نگین تھا وہاں کے مختلف شہروں میں بھی عیسائی آبادیاں تھیں۔ دقیانوس کی اس دار و گیر زد ان پر پڑی۔ انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا تھا اگر زندگی کی ضرورت ہے تو عیسائیت چھوڑ دو اور جن بتوں دیوی دیوتاوں کی ہم پوجا کرتے ہیں ان کی پوجا کرو۔ ڈیسیس جب ملکی دورہ پر روانہ ہوتا تو وہ اس مقصد کو تمام دوسرے امور مملکت پر ترجیح دیتا۔ ایک دفعہ اس کا گزر ایشیائے کوچک کی بستی افلیسس سے ہوا، یہ وہ جگہ جہاں آرٹیمس یا ڈائنا دیوی کا مندر تھا جس کی بڑی

دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اور اس مندر کی وجہ سے اس شہر کو ملک بھر میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہاں جب دقیانوس نے نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ کی تو چند نوجوان اپنی دولت ایمان بچانے کے لیے وہاں سے چل نکلے۔[13]

مولانا مودودی اصحاب کہف کے تاریخی پس منظر سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس قصے کی قدیم ترین شہادت شام کے ایک عیسائی پادری جیمس سروجی کے مواعظ میں پائی گئی تھی جو سریانی زبان مین لکھے گئے تھے۔ یہ شخص اصحاب کہف کی وفات کے چند سال کے بعد ۴۵۲ء میں پیدا ہوا تھا اور اس نے ۴۷۴ کے لگ بھگ زمانے مین یہ مواعظ مرتب کیے تھے ان مواعظ میں وہ اس پورے واقعات کو مرتب کرتا ہے۔ یہی سریانی روایت ایک طرف مسلمان مفسرین کو پہنچی جسے ابن جریر طبری نے مختلف سندوں کے ساتھ اپنی تفسیر مین نقل کیا ہے اور دوسری طرف یورپ پہنچی، جہاں یونانی اور لاطینی زبان میں ان کے ترجمے اور خلاصے شائع ہوئے۔ مودودی صاحب گبن کی کتاب "تاریخ زوال و سقوط دولت روم" میں سات سونے والے کے کے عنوان کے تحت ان ماخذ سے اس قصے کا جو خلاصہ دیا ہے وہ ہمارے مفسرین کی روایت مین سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ دونون قصے قریب قریب ایک ہی ماخذ سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً جس بادشاہ کے ظلم سے بھاگ کر اصحاب کہف غار میں پناہ گزین ہوئے تھے ہمارے مفسرین اس کا نام دقینوس یا دقیانوس یا دقیوس بتاتے ہیں اور گبن کے نزدیک وہ قیصر ڈیسیس تھا جس نے ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک سلطنت پر فرمانروائی کی اور مسیح کے پیروکاروں پر ظلم و ستم کیا۔ اسی وجہ سے اس کا عہد کافی بدنام ہے جس شہر مین یہ واقعہ پیش آیا اس کا نام ہمارے مفسرین افسس یا افسوس لکھتے ہین اور گبن اس کا نام افسس بتاتا ہے جو ایشائے کوچک کے مغربی ساحل پر رومیوں کا سب سے بڑا شہر اور مشہور بندر گاہ تھی۔ پھر جس بادشاہ کے عہد مین اصحاب کہف جاگے اس کا نام ہمارے مفسرین تیذوسینس لکھتے ہیں اور گبن کہتا ہے کہ ان کے بعثت کا واقعہ قیصر تھیوڈوسیس ثانی کے زمانے مین پیش آیا جو رومی سلطنت کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد ۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک روم کا قیصر رہا۔[14]

مودودی صاحب نے جو مفسرین اور گبن کے درمیان ناموں کا اختلاف بیان کیا ہے ممکن ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کا فرق ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ پیر کرم شاہ نے لکھا ہے کہ دقیانوس جس کو رومی زبان میں ڈسیس کہا جاتا ہے واضح ہوتا ہے کہ یہ زبان کے اختلاف کہ اور کچھ نہیں ہے۔ اصحاب کہف سے متعلق ابن کثیر بھی ان کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسیح ابن مریم کے دین پر تھے لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے زمانے سے پہلے کا واقعہ ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ نصرانی ہوتے تو یہود اس قدر توجہ سے نہ ان کے حالات معلوم کرتے اور نہ ہی معلوم کرنے کی ہدایت کرتے کیونکہ تین سوالات جو اس سورت کے نزول کا سبب بنے ان مین ایک سوال اصحاب کہف سے متعلق بھی تھا، یہود کی کتاب مین ان کا ذکر تھا اور انہیں اس واقعہ کا علم تھا۔ تو یہ ثابت ہے کہ یہود کی کتاب نصرانیت

سے پہلے کی ہے، بعض سلف کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومی بادشاہ کی اولاد روم کے برادر تھے تو ایک دفعہ قوم کے ساتھ عید منانے گئے تھے اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا جو بڑا سرکش اور سخت تھا سب کو شرک کی تعلیم دیتا اور بت پرستی کراتا تھا۔[15] جی تو یہاں بھی ابن کثیر نے بادشاہ کا نام دقیانوس ہی بیان کیا ہے

غار کے حالات:

اصحاب کہف ڈیس کے ظلم سے تنگ آکر اپنی دولت ایمان کو بچانے کے لیے افیس نامی بستی سے نکلے تو قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس مین ایک وسیع پہاڑ تھا میں جا چھپے اور بارگاہ الٰہی مین گڑگڑا کر التجائیں کیں کہ انہین اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے ظلم سے بچا اور ان کو نعمت ایمان سے محروم نہ کر، ایسا نہ ہو کہ کسی آزمائش مین ان کا قدم لڑکھڑا جائے اور دامن حق ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اللہ نے ان کی فریاد سنی اور ان پر نیند مسلط کر دی۔ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا اس لیے اس میں دھوپ تو داخل نہ ہوتی تھی لیکن روشنی کا گزر اچھی طرح تھا اس لیے ان کے جسم اس طویل نیند کے بعد بھی محفوظ رہے قدرت مناسب وقفہ کے بعد ان کا پہلو بھی بدل دیتی تھی۔ جیسے نیند کی حالت مین ہم سوتے ہوئے پہلو بدلتے ہیں اس طرح کا احساس یقیناً ان مین بھی ہو گا دور سے دیکھنے والے انہین بیدار خیال کرتے حالانکہ وہ محو خواب میں تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہو لیا انہوں نے اس کو بھگانے کے لیے کئی جتن کیے لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب وہ غار میں جا کر آسودہ خواب ہو گئے تو وہ بھی پاسبانی کی خاطر غار کے دہانے پر اپنے پاون پھیلا کر بیٹھ گیا۔ اسی طرح ایک سو تاسی برس کا عرصہ گزر گیا، ڈیس کیفر کردار کو پہنچا اور مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چل دیئے۔ پرانے شہر اجڑے نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ افیس کی شہر مِن ان دو سو سال مین کیا شکست وریخت نہ ہوئی ہو گی۔ جب حکمت الٰہی نے چاہا تو سونے والوں کو بیدار کیا وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ انہیں خیال گزرا کہ وہ آج معمول سے زیادہ سوئے ہیں لیکن یہ بات ان کے گمان مین نہ تھی کہ یہاں بے سدھ پڑے دو صدیاں گزر گئیں اس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے[16]

مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ جب اصحاب کہف غار مین جا بیٹھے تھے پھر قیصر تھیوڈیس کی سلطنت کے اڑتیسویں سال مین یہ لوگ بیدار ہوئے جب کہ پوری رومی سلطنت مسیح کی پیروکار بن چکی تھی۔ اس حساب سے ان کی غار مین رہنے کی مدت ۱۹۴ سال بنتی ہے[17] جاگنے کے بعد بشری تقاضے بھی جاگ اٹھے اور بھوک نے ستایا۔ ایک ساتھی جس کا نام یملیخاہ بتایا جاتا ہے بستی کی طرف بھیجا تا کہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔ جب وہ غار اور وادی سے نکلا تو ماحول میں اجنبیت قدم قدم پر تھی۔ شہر میں کیا درودیوار، گلی کوچے زبان حال سے کچھ اور ہی داستان بیان کر رہے تھے۔ یملیخاہ سوچ رہے تھے کہ اے خدا یہ ایک آٹھ پہر مین کیا انقلاب ہو گیا ہے کل جب چھوڑ کر گئے تھے تو کیا حال تھا اور آج کیا

ہے۔ ایک نانبائی کی دوکان پر گئے اور اسے کھانا دینے کے لیے کہا اس نے کھانا دیا تو انہون نے پرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے اس کی طرف بڑھادیا۔ دوکاندار اس سکے کو دیکھ کر ہکابکارہ گیا۔ معاملہ نے طول پکڑا اور ارد گرد کے دوکاندار بھی جمع ہو گئے۔ یملیخاہ پر الزام لگایا گیا کہ اس کے ہاتھ کوئی پرانا شاہی خزانہ ہاتھ آیا ہے تو اس طرح معاملہ شاہی حاکم تک جا پہنچا۔ یہاں آکر حقیقت سے پردہ اٹھا اور انہیں پتہ چلا کہ یہ ان نوجوانوں میں سے ہیں جو ڈیسس کے ظلم وستم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی، سب ان کی جھلک دیکھنے کے لیے غار تک گئے وہاں دوسرے ساتھی یملیخاہ کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئے اور مختلف قسم کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے جب جم غفیر دیکھا تو یقین ہو گیا کہ لوگ ان کو گرفتار کرنے آرہے ہیں۔ جب لوگ حاکم شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحاب کہف کو معلوم ہوا کہ انہیں یہاں ٹھہرے صدیاں گزر گئیں ہیں اور حالات بدل چکے ہیں عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہے اور صرف رعایا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس دین کو قبول کر چکی ہے۔ مورخین کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء میں پیش آیا جب روما کے تخت پر تھیوڈیسس متمکن تھا۔[18] مقام کے تعین میں مورخین اور علماء کے مختلف اقوال ہین لیکن علامہ ابن حیان اندلسی نے لکھا ہے کہ یہ ساراواقعہ اندلس کے ملک میں ہوا ہے وہ لکھتے ہین کہ غرناطہ کے نزدیک ایک قصبہ ہے جسے لوشہ کہتے ہین یہاں ایک غار ہے جہان کئی مردوں کے ڈھانچے ہیںاور باہر ایک کتے کا ڈھانچہ بھی ہے مزید لکھتے ہین کہ جب ہم اندلس مین تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔[19]

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ وہ ۵۰۴ھ سے انہین اندلس مین اسی حالت میں دیکھ رہے ہیں وہاں ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی طرز کی پرانی عمارت بھی ہے جسے الرقیعہ کہا جاتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی قدیم مصر کے کھنڈرات ہین اور غرناطہ سے قبلہ کی جانب ایک پرانے شہر کے آثار بھی پائے جاتے ہیں جس کا نام مدینہ دقیوس بتایا جاتا ہے[20] کئی دیگر مقامات مین غاروں میں اس قسم کے ڈھانچے دکھائی دیتے ہیں ہو سکتا ہے اہل حق پر جب بھی جبر وتشدد کا بازار گرم ہوا تو ان میں سے چند لوگوں نے قریبی پہاڑوں میں پناہ لی ہو اور ان کے ڈھانچے اسی طرح محفوظ ہوں۔ سپین کے جس غار کا ذکر ابن حیان نے کیا ہے ممکن ہے وہ بھی اسی طرح کا غار ہو۔ لیکن پیر کرم شاہ کے نزدیک ان کی لکھی ہوئی تفصیل حقیقت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ مفسرین نے اسے یوں بیان کیا ہے[21] یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا کہ حضور اکرم نے یہ واقعہ اپنے سام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں علماء اہل کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا کیونکہ قرآن کی بیان کردہ تفصیلات جیمس کے مواعظ مین لکھی ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اس منہ پھٹ مورخ نے بہر علم وحکمت کے بر اعظم

پر بے علمی اور جہالت کا الزام لگایا اس طرح اس نے نہ صرف حقیقت کو منہ چڑایا بلکہ مورخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے کیونکہ جب وہ خود جانتا ہے کہ یہ مجموعہ ۴۷۴ء میں لکھا گیا اور ایک قول کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء مین پیش آیا ذرا انصاف فرمائیں ان پچاس سالوں میں اس مین کیا کچھ ردوبدل نہ ہو گیا ہو گا۔ کتنی ایسی چیزیں بڑھا دی گ ءی ہوں گی تا کہ اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا جا سکے۔ اس لیے جیمس کی تفصیلات کا صحیح ہونا قطعاً یقینی نہیں۔ جب اس کی صحت قطعی نہیں تو قرآن کی صداقت کا انحصار ان مواعظ سے مطابقت پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآن کو کسی گبن کے قول کی سند کی ضرورت ہے[22] مودودی صاحب نے بھی گبن کی اس گستاخی پر انہی دلائل سے بحث کی ہے اور یملیخاہ کے شہر جانے اور بھید کھلنے کے واقعے کو بھی بیان کیا ہے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ہجوم کے غار پر آنا اور اصحاب کہف کو دو سو برس بعد سو کر اٹھنے سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنے بھائیوں سے ملے اور ان کو سلام کیا اور واپس جاتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی[23]

منکرین آخرت کو جواب:

سریانی روایت کے مطابق اس زمانے مین وہاں قیامت اور عالم آخرت کے مسئلے پر زور شور سے بحث چھری ہوئی تھی۔ اگرچی رومی سلطنت کے اثر سے عام لوگ مسیحت قبول کر چکے تھے جس کے بنیادی عقائد مین آخرت کا عقیدہ شامل تھا لیکن ابھی تک شرک و بت پرستی اور یونانی فلسفے کے اثرات کافی طاقتور تھے جن کی بدولت بہت سے لوگ آخرت سے انکار یا کم از کم اس کے ہونے مین شک کرتے تھے۔ اس شک کو جو چیز زیادہ تقویت پہنچا رہی تھی وہ یہ تھی کہ افسس مین یہودیت کی بہت بڑی آبادی تھی اور ان مین سے ایک فرقہ جسے صدوقی کہا جاتا تھا، آخرت کا کھلم کھلا منکر تھا۔ یہ گروہ توراۃ سے آخرت کے انکار پر شبہات لاتے تھے اور مسیحی علماہ کے پاس ان کے مقابلے کے لیے قوی دلائل نہ تھے۔ متی، مرقس، لوقا، تینوں انجیلوں مین سدوقیوں اور مسیح کے مناظرے کا زکر ملتا ہے جو آخرت کے مسئلے پر ہوا تھا مگر تینوں نے مسیح کی جانب سے ایسا کمزور جواب نقل کیا ہے جس کی کمزوری کو علمائے مسیحت بھی تولیم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے منکرین آخرت کا پلہ بھاری ہو رہا تھا اور مونین آکرت بھی شک و تذبذب کا شکار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ عین اس وقت اصحاب کہف کی بعثت کا واقعہ پیس آیا اور اس نے بعث بعد الموت کا ایک اور نا قابل انکار ثبوت بہم پہنچا دیا۔[24] پیر کرم شاہ صاحب نے بھی اس بات کو لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا دوبارہ زندہ ہونا اس دور مین پیدا ہونے والے عقیدہ آخرت کا جواب تھا۔[25] اکثر مفسرین نے کہا کہ اللہ نے اصحاب کہف کو اس چیز کی نشانی بنایا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے کیونکہ جب لوگون کو یقین ہو گیا کہ اصحاب کہف تین سو سال سے زیادہ تک سوتے رہے ہین پھر بغیر کسی تغیر و تبدل کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے، سو جوزات اس پر قادر ہے کہ اصحاب کہف کو

تین سو سال سلا کر پھر ان کو اٹھا دے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے خواہ ان کے جسموں کو کیڑا کھا جائیں۔[26] جب اصحاب کہف سچے دل سے ایمان لے آئے تو اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اور ان کو یہ توفیق بخشی کہ حق اور صداقت پر ثابت قدم رہین اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال لینا گوارہ کر لینا مگر باطل کے آگے سر نہ جھکائیں۔[27] ابوالکلام آزاد بھی ان لوگوں کی استقامت سے متعلق لکھتے ہیں کہ چند نوجوانوں نے سچائی کی راہ مین دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے ان کے پیچھے ظلم وستم کی قوتیں تھیںاور سامنے غار کی تاریکی اور وحشت۔ تاہم وہ زرا بھی ہراساں نہ ہوئے انہوں نے کہا خدایا تری ہی رحمت کا آسرا ہے اور تیری ہی چارہ سازی پر بھروسہ، چنانچہ کئی سال تک وہ وہین رہے اور دنیا کی سداون کی طرف سے ان کے کان بالکل بند تھے۔[28]

امام ابن کثیر نے بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ الہی ہمین اپنی جانب سے رحنت عطا فرما، ہمین اپنی قوم سے چھپائے رکھ، ہمارے اس کام مین اچھائی کا انجام کر۔ حدیث میں بھی ایسا ہے کہ الہی فیصلہ تو ہمارے حق مین کر، اسے انجام کے لحاظ سے بھلا کر۔[29] حدیث میں ہے کہ رسول اللہ دعامین عرض کرتے کہ اے اللہ، ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذابوں سے بچالے۔[30]

جسموں کا دھوپ سے محفوظ رکھنا:

غار کی صورت کچھ اس طرح تھی کہ غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا سورج طلوع ہوتا تو بھی، غروب ہوتا تو بھی اس کی دھوپ اس کے دہانے مین داخل ہوتی۔ صحیح وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس سارے ماحول کو اتناڈرونا اور بھیانک بنا دیا تھا کہ وہاں پہنچتے ہی رونگھٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ڈوبنے لگتا اور کسی کو اندر جانے کا حوصلہ نہ رہتا[31] مودودی صاحب نے بھی غار کے دہانے کا ذکر سال کی جانب ہی کیا ہے جس کی وجہ سے سورج کی روشنی کسی بھی موسم مین اندر نہ پہنچتی تھی اور باہر سے گزرنے والا یہ نہ دیکھ سکتا تھا کہ اندر کون ہے۔ یعنی کوئی باہر سے جھانک کر دیکھتا بھی تو ان سات آدمیوں کے وقتاًفوقتاً کروٹیں لیتے رہنے کی وجہ سے وہ یہ گمان کرتا کہ یہ بس یونہی لیٹے ہوئے ہیں، سوئے ہوئے نہیں ہیں۔ یعنی پہاڑوں کے اندر ایک اندھیرے غار میں چند آدمیوں کا اس طرح موجود ہونا آگے کتے کا بیٹھے ہونا ایسا دہشت نال منظر پیش کرتا کہ جھانکنے والے ان کو داکو سمجھ کر بھاگ جاتے تھے اور یہ ایک بڑا سبب تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ اتنی مدت تک پڑے رہے اور کسی کو جرات نہ ہوئی کہ کبھی اصل معاملے سے باخبر ہو۔ یعنی جیسے عجیب طریقے سے سلائے گئے تھے اور دنیا کو ان کے حال سے بے خبر رکھا گیا تھا ایسا ہی عجیب کرشمہ قدرت ان کا ایک طویل مدت کے بعد جاگنا بھی تھا۔[32] مولانا ابولکلام آزاد لکھتے ہیں کہ ان کا ایک وفادار کتا بھی تھا وہ بھی ان کے ساتھ

غار مین چلا گیا۔ غار میں انہوں نے پناہ لی، اگرچہ غار اندر سے کشادہ تھی اور دہانہ کھلا ہوا تھا لیکن سورج کرنیں اس میں راہ نہیں پا سکتی۔ نہ چڑھتے دن میں نہ ڈھلتے میں۔ جب سورج نکلتا ہے تو دہنی جانب رہتے ہوئے گزرتا ہے جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے یعنی غار اپنی طول میں شمال وجنوب واقع ہے

اس کا ذکر قرآن میں کچھ یوں ہے

وَتَرَى ٱلشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ ٱلْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ ٱلشِّمَالِ وَهُمْ فِى فَجْوَةٍ مِّنْهُ[33]

اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب ڈوبتا ہے تو بائیں جانب کترا کر ڈوبتا ہے اور وہ سو رہے ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔

ایک طرف دہانہ ہے تو دوسری طرف روزنی ہے اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی اس صورت حال میں بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ زندہ رہنے کے لیے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے کیونکہ ہوا اور روشنی موجود ہے مگر وہاں دھوپ کی تپش نہیں پہنچ سکتی اور اندر سے کشادہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جگہ کی کمی نہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ باہر سے دیکھنے والے کے لیے اندر کا منظر بہت ڈروانا ہو گیا ہے کیونکہ روشنی کے منافذ موجود ہے اس لیے بالکل اندھیرا نہیں رہتا۔ سورج کسی وقت سامنے آتا نہیں اس لیے مکمل اجالا نہیں ہوتا۔ روشنی اور اندھیرے کی ملی جلی حالت رہتی ہے اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو تو اس کو باہر سے جھانک کر دیکھا جائے تو اندر کی ہر چیز بھیانک منظر پیش کرے گی۔

یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے، اس کے بعد نکلے تو کچھ اندازہ نہ تھا کہ کتنا عرصہ رہے؟ وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہو گا جس حال پر چھوڑا تھا لیکن اس عرصہ میں تو انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ جب آدمی شہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اب وہی لوگ جو سنگسار کرنا چاہتے تھے ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کے غار نے زیارت گاہ کی عام حیثیت حاصل کر لی اور امیر شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے[34] امام ابن کثیر نے بھی غار کا دہانہ شمال کی جانب لکھا ہے ان کے مطابق اگر دروازہ مشرق کے رخ ہوتا تو سورج کے غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی اور اگر قبلہ رخ ہوتا تو سورج کے طلوع کے وقت دھوپ نہ پہنچتی اور نہ غروب کے وقت پہنچتی اور نہ ہی سایہ دائیں بائیں جھلکتا۔ اگر دروازہ مگرب رخ ہوتا تو بھی سورج نکلنے کے وقت اندر دھوپ نہ جا سکتی بلکہ زوال کے بعد اندر پہنچتی اور پھر مغرب تک رہتی۔ پس وہی شمال والی بات ہے۔ مزید اللہ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس مین سوچین سمجھیں مگر وہ غار کس پہاڑ اور کس شہر میں

ہے نہین بتلایا اس لیے کہ ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ پھر بھی اس معاملے میں مفسرین نے تکلیف اٹھائی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ ایلہ کے قریب ہے، کوئی کہتا ہے نینوی کے پاس ہے، کوئی روم میں کہتا ہے، کوئی بلقاء میں کہتا ہے اصل علم اللہ ہی کو ہے۔ اگر اس میں کوئی دینی مصلحت یا ہمارا کوئی مذہبی فائدہ ہوتا تو یقیناً اللہ ہمین بتالا دیتا یا اپنے رسول کے ذریعے ہمیں بتادیتا۔ ان نوجوانوں کی ہدایت تو خدانے کی تھی یہ راہ راست پا چکے تھے کسی کے بس میں نہ تھا کہ انہیں گمراہ کرسکے اور اس کے برعکس جسے وہ راہ نہ دکھائے اس کا ہادی کوئی نہیں۔[35] جیسا کہ سب تقاسیر میں غار کے منہ کی وجہ شمال کی طرف بتائی گئ ہے اور سورج کا گزرنا اس طرح تھا کہ بس روشنی کا انتظام تھا بس روشنی پڑتی نہ تھی۔ لیکن ایک دوسرا قول کہ سورج کو اللہ نے اس سے روک دیا کہ اس کی دھوپ طلوع یا غروب کے وقت ان کے جسموں پر پڑے اور اللہ کا یہ فعل خلاف عادت ہے اور اصحاب کہف کی کرامت ہے یہ زجاج کا قول ہے اور اس کا استدلال اس قول پر ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی آیتوں میں سے ہے جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے:

ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ ٱللَّهِ[36]

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں

پہلے قول کے مطابق ان پر دھوپ نہ پڑتی تو پھر یہ امر معمول کے موافق اور عادت کے مطابق ہوتا اور اس مین اللہ کی کوئی آیت یا نشانی نہ ہوتی اور اگر اس کی ہمارے قول کے موافق تفسیر کی جائے تو پھر اس مین اللہ کی عجیب وغریب آیت اور نشانی اور اصحاب کہف کی کرامت ہو گی۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے زجاج کی تفسیر کے مطابق تو اس نشانی کا ہونا واضح ہے۔ یعنی طلوع اور غروب کے وقت اللہ نے سورج کی دھوپ کو غار مین پہنچنے نہین دیا اور پہلے قول کے مطابق نشانی یہ ہے کہ اللہ نے اتنی طویل مدت تک ان کو غار میں محفوظ رکھا کہ اصحاب کہف اللہ کے لطف وکرم سے اتنے عرصہ تک مرض اور موت کے اثرات سے محفوظ رہے۔[37]

اصحاب کہف کا کروٹیں بدلنا:

بعض لوگوں نے غار کی ہیت کے متعلق کہا وہ

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ ٱلْيَمِينِ وَذَاتَ ٱلشِّمَالِ[38]

اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں کبھی دائیں اور کبھی بائیں

کی وجہ سے وہ بیدار دکھائی دیتے۔ چونکہ دائیں بائیں کروٹ بدلتی رہتی، اس لیے دیکھنے والا خیال کرتا کہ یہ بیدار ہیں لیکن یہ توجیہ بالکل بے معنی ہے۔

اول: تو کروٹیں بدلنا بیداری کی دلیل نہیں، آدمی گہری نیند مین ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے۔

دوم: اگر کروٹ بدلتے ہون گے تو کچھ وقفہ کے بعد بدلتے ہوں گے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہوں گے۔ جب کوئی جھانک کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے۔ لطف یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسر ہمیں بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیک سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتی تھی بعضوں کے نزدیک ایک مرتبہ جب کہ بعض کہتے ہیں کہ نو سال کے بعد کروٹیں بدلتی تھین۔[39] پیر کرم شاہ، مودودی صاحب اور ابو الکلام آزاد نے غار کے حیرت انگیز ہونے کی وجہ یا دہشت زدہ ہونے کی وجہ صرف اور صرف اللہ کا غار کے منظر کو ایسا بنا دینا تھا کہ خوف آئے۔ پیر صاحب نے تفسیر کی کہ اللہ نے اپنی قدرت سے طویل عرصہ تک محو خواب رکھا اور اپنی قدرت سے اسے بیدار کیا۔[40] مودودی صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ غار میں اندھیرے مین چند آدمیوں کا بیٹھنا، کتے کا چوکھٹ پر بیٹھنا حیرت انگیز منظر پیش کرتا ہے اور بعد مین طویل مدت کے بعد جاگنا۔[41] لیکن مولانا ابو الکلام آزاد کے مطابق سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو حالت اس آیت میں ہے وہ کس وقت کی ہے۔ جب وہ نئے غار میں گئے یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے مفسرین نے خیال کیا کہ اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے اور یہی بنیادی غلطی ہے جس نے سارا الجھاو پیدا کر دیا ہے۔ دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے یعنی جب وہ ہمیشہ کے لیے غار میں گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے تو غار کے اندرونی منظر کی نوعیت ایسی ہو گی۔[42] مولانا صاحب نے جو بات کہی کہ یہ سونے کے بعد جاگنا اور پھر مر جانا کی روایت ہے حالانکہ ان کا بازار جانا، اس خوف و حیرت انگیز والی آیت کے بعد ہے اس کا مطلب ہوا کہ پہلے کا حال حیرت انگیز تھا نہ کہ بالکل مرنے والے کے بعد غار کا حال ایسا ہوا کیونکہ بعد مین حکم آرہا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ [43]

اور اسی طرح ہم نے ان کو بیدار کر دیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں

ہم نے ان کو جگا کر اٹھ دیا تو مطلب حیرت انگیز حالت سو کر اٹھنے سے پہلے کی تھی۔

غار پر مسجد یا عمارت بنانے کی بحث:

اصحاب کہف نے بیدار ہونے کے کچھ عرصہ بعد طبعی وفات پائی۔ اب باہمی اختلاف ہوا کہ غار کے دروازے پر دیوار چن دی جائے تا کہ کوئی اندر نہ جا سکے لیکن بعض کی رائے یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تا کہ آنے والے اس میں عبادت کر سکیں اور اسی طرح اصحاب کہف کی یاد تازہ رہے[44] قرآن میں ہے

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُواْ ٱبْنُواْ عَلَيْهِم بُنْيَاناً رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ ٱلَّذِينَ غَلَبُواْ عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِداً[45]

جب وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملے میں تو بعض نے کہا تعمیر کروان کے اوپر غار پر عمارت۔ ان کارب ان کے احوال سے خوب واقف ہے کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے

علامہ ثناءاللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتاہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب ان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا جائز ہے اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جن احادیث میں مسجد بنانے کی ممانعت مذکور ہے وہاں مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے۔[46] اور ساتھ ہی درج ذیل حدیث کا حوالہ دیتے ہیں وہ یہ ہے۔

عن ابي مرثد الغنوي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" لا تصلوا إلى القبور ولا تجلسوا عليها"[47]

کہ رسول اللہ نے فرمایا قبر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

مودودی صاحب کے مطابق عمارت والی بات صالحین نصاری کا قول تھا ان کی رائے یہ تھی کہ اصحاب کہف جس طرح غار میں لیٹے ہوئے ہیں اسی طرح ان کو لیٹا رہنے دو اور غار کے دہانے کو تیغا لگا دو، ان کا رب ہی جانتا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں، کس مرتبے کے ہین اور کس جزا کے مستحق ہیں۔ جبکہ مسجد والی بات سے متعلق موصوف لکھتے ہیں کہ اس سے مراد رومی سلطنت کے ارباب اقتدار اور مسیحی کیلسا کے مذہبی پیشواہین جن کے مقابلے میں صیحح العقیدہ عیسائیوں کی بات نہ چلتی تھی۔ پانچویں صدی کے وسط تک پہنچتے عام عیسائیوں میں اور خصوصا رومن کیتھولک کلیسا میں شرک، اولیاء پرستی اور قبر پرستی کا پورا زور ہو چکا تھا، بزرگوں کے آستانے پوجے جا رہے تھے اور مسیح، مریم اور حواریوں کے مجسمے گرجوں میں رکھے جا رہے تھے۔ اصحاب کہف ک بعثت سے چند ہی سال پہلے ۴۳۱ء میں پوری عیسائی دنیا کے مذہبی پیشواوں کی ایک کانفرنس اسی افسس کے مقام پر منعقد ہو چکی تھی جس مین مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور حضرت مریم کے مادر خدا ہونے کا عقیدہ چرچ کا سرکاری عقیدہ قرار پایا تھا اس تاریخ کو نگاہ میں رکھنے سے صاف معلوم ہوتاہے کہ قَالَ ٱلَّذِينَ غَلَبُواْ عَلَىٰٓ أَمۡرِهِمۡ سے مراد وہ لوگ تھے جو سچے پیرواں مسیح کے مقابلے مین اس وقت عیسائی عوام کے رہنما اور سربراہ بنے ہوئے تھے اور مذہبی اور سیاسی امور کی باگین جن کے ہاتھون میں تھیں یہی لوگ دراصل شرک کے علمبردار تھے اور انہون نے ہی فیصلہ کیا کہ اصحاب کہف کا مقبرہ بنا کر اس کو عبادت گاہ بنایا جائے[48] امام ابن کثیر نے غالب لوگوں کو مسجد بنانے سے متعلق ابن جریر کے دو اقوال بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ کہا تھا دوسرا قول یہ کہ کفار نے کہا تھا لیکن ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ظاہر معلوم

ہوتا ہے کہ اس کے قائل کلمہ گو تھے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ ان کا یہ کہنا اچھا تھا یا برا؟[49] جبکہ مودودی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے قرآن کی اس آیت کا بالکل الٹ مفہوم لیا ہے وہ اس آیت کو دلیل ٹھرا کر مقابر صلحاء پر عمارتیں اور مسجدین بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ قرآن یہاں ان کیاس گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو نشانی ان ظالموں کو بعثت بعد الموت اور امکان آخرت کا یقین دلانے کے لیے دکھائی گئی تھی اسے انہوں نے ارتکان شرک کے لیے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ کچھ اور ولی پوجا پاٹ کے لیے ہاتھ آگئے پھر آخر اس آیت سے قبور صالحین پر مسجدیں بنانے کے لیے استدلال کیا جا سکتا ہے جبکہ نبی محترم کے ارشادات اس کی نہی میں موجود ہیں اور مودودی صاحب پھر متعلقہ احادیث بیان کرتے ہیں۔

قال:" لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج."[50]

اللہ نے لعنت فرمائی ہے قبرون کی زیارت کرنے والی عورتوں اور مردوں پر، قبروں پر مسجد بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔

الا وإن من كان قبلكم، كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد، الا فلا تتخذوا القبور مساجد، إني انهاكم عن ذلك۔[51]

خبردار ہو جاؤ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیتے تھے میں تمہین اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔

لعن اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ"۔[52]

رسول اللہ نے فرمایا، اللہ نے لعنت فرمائی یہود اور نصاریٰ پر، انہوں نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ۔[53]

ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی مرد صالح ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے یہ قیامت کے روز بدترین مخلوق ہوں گے۔

ان احادیث کو بیان کرنے کے بعد مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ ان ارشادات نبویہ کی موجودگی میں کون خدا ترس آدمی یہ جرات کر سکتا ہے کہ قرآن مین عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کے جس گمراہانہ فعل کا ذکر کیا گیا ہے اس کو ٹھیک وہی فعل کرنے کے لیے دلیل و حجت ٹھرا لیا جائے۔[54]

مودودی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ عیسائی پادری اور رومی حکمرانوں نے مسجد بنائی تھی اور یہ ان کا گمراہانہ فعل تھا۔ یہ انہوں نے غلط لکھا ہے حالانکہ عیسائی پادری تو غار کے اوپر اصحاب کہف کی یادگار میں ایک عمارت بنانا چاہتے تھے جب کہ مسلمان وہاں مسجد بنانا چاہتے تھے اور بالاخر انہی کی رائے غالب رہی۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن

عبید نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ اصحاب کہف کے غار پر مطلع ہوئے تھے اللہ نے ان کو اندروں غار کی جگہ سے اندھا کر دیا تھا۔ مشرکین نے کہا کہ ہم اس جگی ایک عمارت بنائیں گے وہ ہمارے آبا و اجداد کے بیٹے ہیں ہم اس عمارت مین اللہ کی عبادت کریں گے جب کہ مسلمانوں ے نے کہا کہ ہم ان کے زیادہ حقدار ہیں وہ ہم مین سے ہیں ہم اس جگہ مسجد بنائیں گے اس میں نماز پڑھیں گے اور اللہ کی عبادت کریں گے۔[55]ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ فرماتے ہین کہ مفسرین نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی تھی وہ بادشاہ اور اس کے مومن اصحاب تھے[56]ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں جس نے اس گار پر عمارت بنانے کی دعوت دی وہ ایک کافرہ عورت تھی اس کا ارادہ تھا کہ وہاں ایک گرجا بنائے یا کفریہ کاموں کے لیے عمارت بنائے تو مسلمانوں نے اس کو منع کیا اور وہاں ایک مسجد بنادی۔[57]علامہ محمود لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے جو اصحاب کہف کے معاملات میں غالب دخل رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم غار کے دروازے پر مسجد بنائین گے تاکہ مسلمان اس مین نماز پڑھیں اور جگی سے برکت حاصل کریں۔[58]نعیم الدین مراد آبادی اس کی تفسیر مین لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدین بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے قرآن میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کا منع نہ کرنا، اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار سے برکت حاصل ہوتی ہے اس لیے اہل اللہ کے مزارات پر حصول برکت کے لیے جایا کرتے ہیں اور قبروں کی زیارت سنت اور موجب ثواب ہے[59]مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر کچھ یوں لکھتے ہین کہ اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء، صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لیے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں اور جس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد قبور کو سجدہ گاہ بنانا دینا ہے جو با اتفاق واجماع شرک و حرام ہے[60] شیخ محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہین کہ جو لوگ اپنی بات مین غالب رہے یونی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے کہا کہ ہم تو اس کے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ یہ لوگ خدائے وحدہ لا شریک کے عبادت گزار بندے تھے، معبود نہ تھے اور نہ ہی مشرک تھے۔ قبرون کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے نزدیک مسجد بنانا جائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی طرف منہ کر کے نمازین پڑھا کرین گے بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار مین ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازین پڑھا کرین اور ان کے قریب سے برکت حاصل کریں۔[61]اس لیے سید مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ مسجد عیسائی پادریوں نے بنائی تھی اور یہ ایک گمراہانہ فعل تھا جہان تک احادیث کا تعلق ہے تو وہ احادیث منسوخ ہو چکی ہیں جیسا کہ ممانعت والی حدیث کے معارض پر حدیث ہے

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أنّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال» :أُعْطِيتُ خمسا، لم يُعْطَهُنَّ أحد من الأنبياء قبلي :نُصِرْتُ بالرعب مسيرة شهر، وجُعِلَت لي الأرض مسجدا وطَهُورا، فأَيَّمَا رجل من أمتي أدركته الصلاة فَلْيُصَلِّ، وأُحِلَّت لي المغانم، ولم تحلَّ لأحد قبلي، وأُعْطِيتُ الشفاعة، وكان النبي يُبْعَثُ إلى قومه خاصة، وبُعِثْتُ إلى الناس عامَة ۔[62]

کہ حضرت جابر فرماتے ہین کہ نبی محترم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزین دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں

۱۔ایک ماہ کی مسافت سے مرا رعب طاری کر دیا گیا ہے

۲۔تمام روۓ زمیں کو میرے لیے سجدہ اور آلہ طہارت بنادیا گیا پس میری امت میں سے جس شخص نے جہاں بھی نماز کا وقت پایا وہ نماز پڑھ لے

۳۔میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا

۴۔مجھے شفاعت دی گئی ہے

۵۔پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے

یہ رسول کی فضیلت ہے کہ تمام روئے زمیں کو آپ کے لیے مسجد بنادیا گیا ہے اور روۓ زمیں مین وہ جگہ بھی داخل ہے جو صالحین کے قرب و جوار مین ہے لہذا اس جگہ مسجد بنا جائز ہے اور نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔اگر یہ کہا جائے جن احادیث میں صالحین کے قرب مین مسجد بنانے کی ممانعت ہے ان سے یہ حدیث منسوخ ہو جائے گی تو یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث نبی کے فضائل میں ہے اور فضائل منسوخ نہیں ہوتے اور نہ ہی فضائل میں تخصیص ہوتی ہے،نہ ہی فضائل میں استثناء ہوتا ہے۔نسخ صرف اور صرف امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے جب ان احادیث مین تعارض ہے تو واضح ہو گیا کہ جس حدیث میں آپ نے فرمایا کہ تمام روئے زمیں کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے یہ حدیث ان احادیث کے لیے ناسخ ہے جن میں صالحین کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت ہے [63]ایک دوسری حدیث بھی ہے

عنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، قَالَ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ أَوَّلُ؟ قَالَ:" الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ"، قَالَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:" ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى"، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ:" أَرْبَعُونَ عَامًا، ثُمَّ الْأَرْضُ لَكَ مُصَلًّى، فَصَلِّ حَيْثُ مَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ"[64]

ابو ذر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ،زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟آپ نے فرمایا مسجد حرام،میں نے پوچھا اس کے بعد؟آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ،میں نے پوچھا ان کے درمیاں کتنا عرصہ ہے؟آپ نے فرمایا چالیس سال،اور تم جس جگہ بھی نماز کا وقت پاو تم وہیں نماز پڑھ لو[65]اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ صالحین کے جوار مین مسجد بنانا جائز ہے [66]

صالحین کی قبور کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت کے محامل:

قاضی عیاض اندلسی لکھتے ہیں ائمہ مسلمیں نے نبی کی قبر کو قبلہ بنانے سے منع کیا ہے کیونکہ جب نماز مین نمازیوں کا منہ آپ کی طرف ہو گا تو وہ نماز صورۃً آپ کی عبادت کی جائے گی اس وجہ سے صحابہ نے قبر مبارک کی بائیں جانب ایک دیوار بنادی حتی کہ اب جو شخص وہاں نماز پڑھے گا اس کے لیے نماز میں آپ کی طرف منہ کرنا ممکن نہیں ہو گا[67] اس سے واضح ہوا کہ صالحین کی قبر کے پاس نماز پڑھنا اس وقت منع ہے جب نمازی اور قبر کے درمیاں کوئی حائل نہ ہو اور جب نمازی اور قبر کے درمیاں دیوار حائل ہو تو پھر قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع نہین ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں جو شخص کسی مرد صالح کے جوار مین مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے نہ کہ اس کی تعظیم اور نماز مین اس کی طرف توجہ کرنے کا، تو وہ اس وعید مین داخل نہین[68] ملا علی قاری لکھتے ہیں حضرت اسماعیل کی قبر کی صورت حطیم مین میزاب کے نیچے ہے حطیم، حجر اسود اور میزاب کے درمیان ستر نبیوں کی قبرین ہیں۔[69]

اصحاب کہف کی تعداد کی بحث:

جہاں تک اصحاب کہف کی تعداد کا ذکر ہے اس میں قرآنی اسلوب یہ ہے کہ قیاس کیا جاتا ہے کہ تین وہ تھے اور چوتھا ان کا کتا، چار وہ تھے اور پانچواں ان کا کتا اور یہ تسلسل جاری ہے جیسا کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے

سَيَقُولُونَ ثَلاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْماً بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ[70]

کچھ کہیں گے اصحاب ب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا اور کچھ کہیں گے پانچ وہ تھے اور چھٹا ان کا کتا، یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے سات وہ تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔

اصحاب کہف کی تعداد میں بھی عیسائی مختلف الرائے تھے۔ یعقوبیہ فرقہ کہتا ہے وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا۔ نسطوریہ کہتے ہیں چار وہ ہیں پانچواں ان کا کتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ محض ان کی قیاس آرائیاں ہیں اور وہ ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں[71] بعض کا خیال ہے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اکثر علماء کی رائے میں یہ تعداد صیح ہے کیونکہ جس طرح پہلے دو اقوال کے متعلق قرآن نے ۔رجما بالغیب[72]۔ کا لفظ ذکر کیا ہے اس کے لیے نہیں کیا اور مزید یہ فرما کر سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا کہ یہ کوسی اہم بات ہے جس کے تصفیہ کے لیے آپس میں دست و گریباں ہو۔ اسے اللہ کے سپرد کر دو، وہ ان کی تعداد خوب جانتا ہے اور وہ لوگ معدودے چند ہین جن کو ان کی سیحح تعداد کا علم ہے ابن عباس سے اصحاب کہف کے مندجہ ذیل نام منقول ہیں جن کو تفسیر مظہری نے بیان کیا ہے۔ ا۔ میکسلمینا۔ ۲۔ یملیخاہ۔ ۳۔ مرطونس۔ ۴۔ سنونس۔ ۵۔ سارنیونس۔ ۶۔ ذونواس۔ ۷۔ کسسطیطونس[73] پیر

کرم شاہ الازہری نے بھی یہ نام اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں[74] ابن کثیر نے ابن جریر کے مطابق تعداد سے متعلق بھی پہلے دو اقوال تو ضعیف ہیں کہ یہ اٹکل کے تکے ہیں بے نشان کے پتھر ہین اگر کہیں لگ جائیں تو کمال، نہ لگیں تو زوال۔ہاں تیسرا قول فرما کر سکوت فرمایا تردید نہیں کی یعنی سات وہ آٹھواں ان کا کتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے یوں اشارہ ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر بہتر ہے کہ علم خدا کی طرف لوٹا دیا جائے[75] مزید ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف عمر میں بہت کم تھے شباب میں تھے یہ لوگ دن رات عبادت میں مشغول رہتے تھے روتے رہتے تھے اور اللہ سے فریاد کرتے رہتے تھے اور ان کی تعداد نو تھی اور ان میں جو سب سے بڑا تھا اس کا نام مکسلمیس تھا اسی نے بادشاہ سے گفتگو کی تھی اور اسے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی تھی باقی کے نام یہ تھے فشلمین۔ تملیخ۔ مرطونس۔کشطونس۔بیرونس۔ونیموس۔بطونس۔اور قابوس۔ہاں ابن عباس کی صحیح روایت یہ ہے کہ سات شخص تھے۔آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے[76] امام رازی لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ اصحاب کہف کی تعداد سات ہے اور ان کے اسماء یہ ہیں۔یملیخاہ۔مکسلیناہ۔مسشینا، یہ تینوں بادشاہ کی دائیں جانب تھے اور مرنوس۔دبرتوس۔بادشاہ اپنی مہمات میں ان چھ سے مشورہ کیا کرتا تھا اور ساتواں وہ چرواہا تھا جو ان کے ساتھ اس وقت مل گیا تھا جب وہ ابتداء غار کی طرف جا رہے تھے ان کے کتے کا نام قطمیر تھا۔[77]

آٹھویں وصف سے پہلے واو کا ذکر کرنا:

اس آیت میں سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ[78] کے بعد واو نہیں ہے اور سبعۃ کے بعد واو ہے وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے نزدیک عدد میں سبعہ مبالغہ ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے

إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً[79]

آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں۔

اس وجہ سے اگر سات چیزون کے بعد وہ کسی آٹھویں چیز کا ذکر کریں تو اس کے ساتھ واو کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے

ٱلتَّائِبُونَ ٱلْعَابِدُونَ ٱلْحَامِدُونَ ٱلسَّائِحُونَ ٱلرَّاكِعُونَ ٱلسَّاجِدُونَ ٱلْآمِرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ[80]

یہ سات اوصاف ہیں ان کے درمیان واو نہیں ہے لیکن اس کے بعد جب آٹھواں وصف ذکر کیا ہے وَٱلنَّاهُونَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ اس کے بعد واو ہے۔ایک دوسری مثال بھی یہ ہے

مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ [81]

یہاں تک سات اوصاف بغیر واو کے ذکر فرمائے آٹھواں وصف آیا تو واو کا کے ساتھ ذکر فرمایاوَأَبْكَاراً

لیکن اس پر قفال اور قشیری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ سات کا عدد ان کے نزدیک عدد کی انتہاء ہے اور مثال پیش کی۔

هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَامُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۔[82]

اس آیت میں المتکبر آٹھواں لفظ ہے اور اسکے ساتھ واو کا ذکر نہیں کیا گیا[83] سورہ حشر کی آیت کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے قواعد اکثری ہوتے ہیں کلی نہیں ہوتے۔[84]

اصحاب کہف کے کتے کا ذکر:

وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِٱلْوَصِيدِ ۔[85]

اور ان کا کتا پھلائے بیٹھا ہے دونوں بازوان کی دہلیز پر

کتا دہانے پر تھا بازو پھیلائے ہوئے باہر کی طرف منہ کیے ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ اٹھے۔ اصحاب کہف سال میں دو مرتبہ کروٹیں بدلتے، تو یہ کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ بدلتا تھا۔ ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بہ طور پہرے دار کے بازو لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف میں سے کسی کا شکاری کتا تھا ایک قول کے مطابق بادشاہ کے باورچی کا کتا تھا چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے ان کے ساتھ ہجرت میں تھے تو ان کا کتا ان کے پیچھے پڑ گیا ابن کثیر بھی اس کا نام قطمیر لکھتے ہیں اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق کتے کا نام حمران تھا[86]

اصحاب کہف کا غار میں سونے کی مدت:

جہاں تک اصحاب کہف کی غار مین سونے کی مدت کا تعلق ہے تو ابن جریر نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ قتادہ کا مذہب یہ تھا کہ ۳۰۹ سال کی مدت یہودیوں کا قول ہے یہ قرآن کی بیان کردہ مدت نہین ورنہ بعد مین قُلِ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُواْ ۔[87] کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی مدت وہ ٹھرے کی ضرورت نہیں تھی۔[88] اسی طبری کے قول کو ضیاء القرآن نے بھی بیان کیا ہے[89] مودودی صاحب نے بھی یہی کچھ بیان کیا ہے کہ یہ قول اللہ کا نہیں ہے بلکہ لوگوں کے قول کی حکایت ہے[90]

اصحاب کہف کے قصے کو بیان کرنے کا مقصد:

اس قصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی معاملہ نبی محترم کو پیش آنے والا ہے یونی اپنی قوم سے راہ حق مین کنارہ کشی کرو گے اور غار ثور مین کئی دن مقیم رہو گے پھر آپ پر فتح و کمارانی کی ایسی راہین کھولیں گی جو اس معاملہ سے

بھی کہین عظیم تر ہوں گی[91] اسی طرح جب اصحاب کہف نے غار مین پناہ لی تو اسی طرح آپ پر بھی اللہ کی چھاون ہو گی وہ آپ کو دسمنوں کی نگاہوں سے چھپائے گا اور کام میں آسانی اور راحت مہیا فرمائے گا اور ایس اہی ہو ابلکہ اس سے زیادہ تعجب خیز واقعہ ہمارے نبی محترم کے ساتھ پیش آیا۔ آپ اپنے رفیق خاص ابو بکر صدیق کے ساتھ غار میں جا چھپے۔ مشرکیں مکہ نے بہت دوڑ دھوپ کی لیکن حضور انہیں باوجود پوری کوشش کے نہ ملے۔ اللہ نے ان کی بینائی چھین لی، آس پاس سے گزرے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے مگر انہین کوئی دکھائی نہ دیتا۔ صدیق اکبر پریشان ہو کر عرض کرتے کہ حضور اگر کسی نے اپنے پیر کی طرف بھی نظر ڈال لی تو ہم دیکھ لیے جائیں گے آپ نے نہایے اطمینان سے جواب دیا، اے ابو بکر ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔[92] اسی بات کا ذکر اللہ نے قرآن مین بھی کیا ہے

إِلاَّ تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ۔[93]

اگر تم میرے نبی کی امداد نہ کرو تو کیا ہو جب کافروں نے نکال دیا تو مین نے اس کی امداد کی

یہاں اللہ نے اصحاب کہف کی مثال دے کر نبی محترم کو حفاظت کا یقین دلایا ہے کہ جس طرح ہم نے ان لوگوں کو دشمنوں سے محفوظ رکھا اسی طرح ہم آپ کی بھی حفاظت فرمائیں گے[94]۔

خلاصہ بحث:

ا۔ کہ الرقیم وہی کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے اسماء لکھے گئے ہیں

۲۔ اصحاب کہف تک غار میں دھوپ کی تپیش نہیں پہنچتی لیکن اللہ نے ہوا اور روشنی کا بندبست کیا تھا لیکن روشنی بھی اس حد تک جس سے ان کی زندگی کا فائدہ مقصود تھا ورنہ غار کی حالت تو دہشت کا سبب تھی تا کہ کسی کی اس طرف جانے کی ہمت نہ ہو۔

۳۔ اس واقعے میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو آخرت کا انکار کرتے ہیں کہ دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا۔ جس رب نے اصحاب کہف کو اتنا عرصہ زندہ رکھا اور دوبارہ زندگی بخشی ویسے ہی قیامت کے روز دوبارہ زندہ کیا جانے پر وہ قادر ہے۔

۴۔ جو لوگ غار پر مسجد بنانے کا عزم کیے تھے وہ ایمان والوں کا طرز عمل تھا اس لیے مزارات کے قرب میں مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن قبر اور سجدہ گاہ میں دیوار کا حائل ہونا ضروری ہے تا کہ قبر کی طرف سجدے کا اشارہ نہ ہو سکے۔

۵۔ جہاں تک اصحاب کہف کی تعداد کا تعلق ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا لیکن ان کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

حوالہ جات

[1] القرآن:۱۸:۰۹

[2] راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات القرآن، مکہ مکرمہ: مکتبہ نزار مصطفی، ۱۵۱۸ھ، ۲/ ۵۷۰

[3] ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن:۳/ ۱۱

[4] ابوالکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن، لاہور: مبارک علی تاجر کتب خانہ، ۳/ ۳۹۳

[5] ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن:۳/ ۱۱

[6] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، لاہور: ضیاء القرآن پبلیشرز، ۳/ ۱۲

[7] ابوالکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن:۳/ ۳۹۳

[8] ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۳/ ۲۸۳

[9] محمد بن جریر طبری، امام، تفسیر جامع البیان، مصر: مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ، ۱۵/ ۱۹۸-۱۹۹

[10] القرآن:۱۸:۹

[11] ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۸۳

[12] اردو لغت۔ مطبوعہ کراچی: ۱، ۱۹۷۷، ۱/ ۵۷۳

[13] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن:۳/ ۱۳

[14] ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن:۳/ ۱۳

[15] ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۸۴

[16] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن:۳/ ۱۳

[17] ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن:۳/ ۱۳

[18] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن:۳/ ۱۴

[19] محمد بن یوسف اندلسی، ابوالحیان، البحر المحیط، بیروت: مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ۷/ ۱۴۳-۱۴۲

[20] ابن عطیہ اندلسی، علامہ، المحرر الوجیز، مکہ مکرمہ: مطبوعہ مکتبہ تجاریہ، ۱۰/ ۳۹۲

[21] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن:۳/ ۱۴

[22] ایضاً:۳/ ۱۵

[23] ابوالاعلیٰ مودودی، سید، تفہیم القرآن:۳/ ۱۳

[24] ایضاً:۳/ ۱۵

25 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن: ۳/ ۱۴

26 ابن کثیر عماد الدین، امام، البدایہ والنہایہ، بیروت: مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۸ھ، ۲/ ۱۸-۲۱

27 ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/ ۱۳

28 ابو الکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن: ۳/ ۳۹۳

29 ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۸۴

30 حاکم نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ، المستدرک، ۳/ ۵۹۱

31 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن: ۳/ ۱۹

32 ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/ ۱۵

33 القرآن: ۱۸: ۱۷

34 ابو الکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن: ۳/ ۳۹۳

35 ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۸۷

36 القرآن: ۱۸: ۱۷

37 غلام رسول سعیدی، مولانا، تبیان القرآن، لاہور: فرید بک سنز، ۷/ ۶۵۵

38 القرآن: ۱۸: ۱۸

39 ابو الکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن: ۳/ ۳۹۶

40 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن: ۳/ ۱۹

41 ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/ ۱۵

42 ابو الکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن: ۳/ ۳۹۶

43 القرآن: ۱۸: ۱۹

44 محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن: ۳/ ۲۱

45 القرآن: ۱۸: ۲۱

46 ثناء اللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری، ۷/ ۱۲۳

47 نسائی، شعیب بن احمد، امام، سنن نسائی، ریاض: دار السلام، کتاب القبلہ، رقم الحدیث: ۷۶۱،

48 ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/ ۱۵

49 ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۹۱

50 ابو داود، سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابو داود، ریاض: دار السلام، کتاب الجنائز، رقم الحدیث: ۳۲۳۶،

51 مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم،، ریاض: دار السلام، کتاب المساجد، رقم الحدیث: ۱۱۸۸

[52] ایضاً: کتاب المساجد، رقم الحدیث:۱۱۸۶

[53] محمد بن اسماعیل بخاری، الصحیح البخاری، ریاض: دارالسلام، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث:۴۳۴،

[54] ابوالاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن:۳/۱۵

[55] محمد بن جریر طبری، امام، جامع البیان، بیروت: مطبوعہ دارالفکر،۱۴۱۵ھ، رقم الحدیث:۱۷۳۱۷

[56] جوزی، علی بن محمد، زادالمسیر، ۵/۱۲۴، بیروت: مکتبہ اسلامیہ،۱۴۰۷ھ

[57] محمد بن یوسف اندلسی، ابوالحیان، البحر المحیط،۷/۱۵۸-۱۵۹

[58] زمخشری، محمد بن عمر، الکشاف، بیروت: داراحیاء التراث العربی،۱۴۱۸ھ،۲/۶۳۵

[59] نعیم الدین مراد آبادی، سید، خزائن العرفان برحاشیہ کنزالایمان، لاہور: مطبوعہ تاج کمپنی، ص،۴۷۳

[60] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن،۵/۵۷۷

[61] ادریس کاندھلوی، مولانا، معارف القرآن،۴/۴۰۵

[62] محمد بن اسماعیل، بخاری، صحیح بخاری، رقم الحدیث:۲۲۴

[63] غلام رسول سعیدی، مولانا، تبیان القرآن، لاہور:۷/۸۱

[64] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ریاض: دارالسلام، کتاب المساجد، رقم الحدیث:۷۵۳،

[65] محمد بن اسماعیل، بخاری، صحیح بخاری، رقم الحدیث:۳۳۶۶

[66] عبدالبر مالکی، حافظ، التمہید، بیروت: مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،۱۴۱۹ھ،۱/۱۳۷-۱۳۸

[67] عیاض بن موسی اندلسی، قاضی، اکمل المعلم بفوائد المسلم، بیروت: مطبوعہ دارالوفاء،۱۴۱۹ھ،۴/۴۵۱

[68] ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین، فتح الباری، لاہور: مطبوعہ ۱۴۰۱ھ،۱/۵۲۵

[69] ملا علی قاری، علی بن سلطان، مرقات، ملتان: مطبوعہ مکتبہ امدادیہ،۱۳۹۲ھ،۲/۲۰۲

[70] القرآن:۱۸:۲۲

[71] ثناءاللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری،۷/۱۲۳

[72] القرآن:۱۸:۲۲

[73] ثناءاللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری،۷/۱۲۳

[74] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن:۳/۲۱

[75] طبری، محمد بن جریر طبری، امام، تفسیر طبری،۱۵/۲۴۶

[76] ابن کثیر عمادالدین، امام، تفسیر ابن کثیر،۳/۲۹۱

[77] رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر، بیروت: داراحیاء التراث العربی،۱۴۱۵ھ،۷/۴۴۸

[78] القرآن:۱۸:۲۳

[79] القرآن:۹:۸۰

[80] القرآن:۹:۱۱۲

[81] القرآن:٦٦:۵

[82] القرآن: ۵۹:۲۳

[83] رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر، ۷/۴۴۸

[84] غلام رسول سعیدی، مولانا، تبیان القرآن، لاہور: ۷/۸۱

[85] القرآن:۱۸:۱۸

[86] ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/۲۸۸

[87] القرآن:۱۸:۲٦

[88] طبری، محمد بن جریر طبری، امام، تفسیر طبری، ۱۵/۲۴٦

[89] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن: ۳/۲۲

[90] ابو الاعلی مودودی، سید، تفہیم القرآن: ۳/۲۲

[91] ابو الکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن: ۳/۳۷۹

[92] محمد بن اسماعیل، بخاری، صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۳٦

[93] القرآن:۹:۴۰

[94] ابن کثیر عماد الدین، امام، تفسیر ابن کثیر، ۳/۲۸۸